ڈاکٹر جمیل جالبی

محمد مومن خان مومن: سوانح و شخصیت

The article covers the biography & personality of Momin a prominent poet of 19th century. He was a contemporary poet of Ghalib & Zauq. In this article research has been made to find out his exact year of birth adn the different aspects of his biography in order to correct the mistakes and this concepts of critics, and biographers. This study of his life & perosnality helps to understand his poetic nature & unique style of his art.

شاہ عالم ثانی کے دور شاہی (۴ جمادی الاوّل ۱۱۷۳ھ۔ ۷ رمضان ۱۲۲۱ھ/۲۵ دسمبر ۱۷۵۹ء۔ ۱۹ نومبر ۱۸۰۶ء) میں کشمیر سے دو بھائی: نامدار خاں اور کامدار خاں دہلی آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ یہ دونوں حکیم تھے۔ دست شفا سے جلد ہی چمک اٹھے اور چند ہی سال میں ان کی شہرت سارے شہر میں پھیل گئی۔ ۶ جنوری ۱۷۷۲ء کو جب شاہ عالم دہلی آئے تو کچھ عرصے بعد یہ دونوں بھائی شاہی طبیبوں کے زمرے میں شامل کر لیے گئے اور پرگنہ نارنول میں چند گاؤں، جن میں پلاہہ بھی شامل تھا بطور جاگیر انہیں عطا ہوئے اور یہ دونوں شاہی طبیب کے منصب پر فائز ہو کر باعزت زندگی گزارنے لگے۔ آنے والے زمانے نے دیکھا کہ اس خاندان سے ایسے اطبا پیدا ہوئے جن کے نام ہماری تاریخ کا حصہ ہیں۔ حکیم نامدار خاں کے تین بیٹے

Scanned by CamScanner

تھے۔ حکیم غلام حیدر خاں، حکیم غلام حسن خاں اور حکیم غلام نبی خاں (م ۱۲۳۱ھ)۔ مومن کے قطعہ تاریخ وفات کے آخری مصرع "توقد فازا فوزا عظیما کہا" سے ۱۲۳۱ھ برآمد ہوتے ہیں۔ حکیم غلام نبی خاں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے لیکن سب سے پہلے وفات پا گئے۔ یہی حکیم غلام نبی خاں مومن خاں کے والد ماجد ہیں۔

حکیم غلام نبی خاں مومن خاں (۲) نام، مومن تخلص (۱۲۱۴ھ۔ ۱۲۶۸ھ/۱۸۰۰۔۱۸۵۲ء) دہلی کے محلہ کوچہ چیلان میں پیدا ہوئے اور ساری عمر دہلی میں گزار دی:

ہو صورت خاک دل لگنے کی جنت میں بھلا مومن
مری نظروں میں ہے شاہجہاں آباد کا نقشہ

اکثر تذکرہ نویسوں نے مومن کا سال ولادت ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰ء دیا ہے لیکن قوی معاصر شہادت کے پیش نظر یہ درست نہیں ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے اس دیباچے میں، جو ان کے مرتبہ دیوان مومن مطبوعہ دہلی ۱۸۴۶ء پر لکھا گیا ہے، بتایا ہے کہ

"دریں زمانہ کہ تہذیب ایں دلفریب بستان اتفاق افتاد از ہجرت ہزار و دو صد و چہل و سہ (۱۲۴۳) سال بروفق ہلال گشتہ بود و سنین عمرش کہ چوں عمر خضر از حد شمار برکراں باد بہ بست و نہ رسیدہ واز بس کہ ایں دیوان بے نظیر است بہ تاریخش "دیوان بے نظیر" است" (۳)

اس سال سے سال ولادت ۱۲۱۴ھ برآمد ہوتا ہے اسی طرح مثنوی "شکایتِ ستم" (سال تکمیل ۱۲۳۱ھ) میں خود مومن نے اپنی عمر سترہ برس بتائی ہے۔ "شکایت ستم" کا وہ شعر یہ ہے:

دیکھیں آگے دکھائیں کیا کیا دن
ہے ابھی سترہ برس کا سن

اس سے بھی سال ولادت ۱۲۱۴ھ برآمد ہوتا ہے۔

مومن خاں کی پیدائش پر حکیم غلام نبی خاں حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں

Scanned by CamScanner

پہنچے اور بچے کے کان میں اذان دینے کی فرمائش کی۔ شاہ صاحب نے اذان دی اور بچے کا نام محمد مومن خاں تجویز کیا۔ گھر والوں نے حبیب اللہ نام تجویز کیا تھا لیکن شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہی نام رکھیے اور یہی وہ نام ہے جس سے وہ آج تک پہچانے جاتے ہیں۔

قرین قیاس ہے کہ مومن کی ابتدائی تعلیم مدرسہ شاہ عبدالعزیز میں ہوئی۔ شاہ عبدالقادر سے تعلیم حاصل کرنے کا ذکر اکثر تذکروں میں ملتا ہے (۴)۔ عربی زبان سے اچھی واقفیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انشائے مومن میں عربی فقرے اور قرآن و حدیث کے حوالے اور ان کا بے تکلف استعمال عام ہے۔ نواب اعظم الدولہ سرور نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ ''نوجوانے ست ہمت بر تحصیل کتب عربی مصروف دارد'' (۵)۔ فارسی زبان پر مومن کو بڑی قدرت حاصل تھی۔ معاصر تذکروں میں فارسی زبان پر ان کی قدرت کا ذکر آیا ہے۔ شیفتہ نے لکھا ہے کہ ''باوجود تخالف لسانین بہر دو لفظ چنداں دست گاہے نصیب او گشتہ کہ پارسیان از آں خود ہی انگارند'' (۶)۔ ان کی فارسی دانی کے بارے میں ایک اور معاصر مرزا قادر بخش صابر دہلوی نے بھی یہی لکھا ہے کہ ''کمال مہارت فارسی سے کوس لمن الملک کی صدا نے ہند سے فارس تک پہنچ کر طوطی ہند و بلبل شیراز کو دم بخود کر دیا تھا'' (۷)۔

مومن حافظ قرآن بھی تھے جس کا ذکر انھوں نے اپنی مثنوی ''شکایت ستم'' (۱۲۳۱ھ) میں کیا ہے۔ اعظم الدولہ سرور نے بھی اپنے تذکرے میں انھیں ''حافظ محمد مومن'' لکھا ہے (۸)۔ ان کا حافظہ بھی کمال کا تھا۔ عرش گیاوی نے لکھا ہے کہ ''ذہن خداداد کا یہ عالم تھا کہ شاہ صاحب کا وعظ جو علاوہ علوم ظاہری کے نکات باطنی سے بھی بہرہ ہوتا تھا، جو ایک روز سن لیتے تو بے فرق دوسرے روز اپنے والد کے مطب میں بیٹھ کر دہرا دیتے تھے'' (۹)۔ طب ان کا خاندانی پیشہ تھا۔ اسے بھی انھوں نے حاصل کیا اور اپنی ذہانت سے اس میں مہارت حاصل کی سعادت خان ناصر نے انھیں ''مسیحا نفس، حکیم بے نظیر، شاعر بے عدیل'' (۱۰) لکھا ہے لیکن ساری عمر باقاعدگی سے مطب نہیں کیا۔ صرف خاص موقعوں پر نبض دیکھ کر نسخہ تجویز کیا۔

Scanned by CamScanner

[illegible] صاحب سے عشق بعض دیکھ کر ہی پیدا ہوا تھا۔ "انشائے مومن" میں بھی متعدد مقامات پر دوا دارو کا ذکر بار بار آیا ہے۔ کسی نواب کے نام خط میں لکھا ہے کہ "جناب کے پاؤں کے انگوٹھے کے درد نے ...... پامال کر دیا ہے ...... دوائیں میں نے بھیجی ہیں ان میں سے نفع ہو اس سے مطلع فرمایا جائے۔" (۱۱) اکثر اپنا علاج بھی خود ہی کرتے تھے۔ ایک خط میں لکھا ہے کہ "تین دن ہوئے کہ اپنی رائے سے منضج کی دوا پی رہا ہوں (۱۲)۔ نواب جھجر کے ہاں تین ماہ تک طبیب خاص کی خدمت پر مامور رہے اور نواب کی بے رخی دیکھ کر وہاں سے چلے آئے۔ ناسخ نے لکھا ہے کہ "طب میں خوب دخل رکھتے تھے۔" (۱۳)

طب کے علاوہ علم نجوم اور رمل سے بھی گہری واقفیت رکھتے تھے۔ معاصرین نے ان کے کمالات اور پیش گوئیوں کا ذکر کیا ہے۔ ہر سال رفتار نجوم کی تقویم تیار کرتے تھے جن میں سے دو تقاویم اور تین تقویموں کے دیباچے ۱۲۴۸ھ، ۱۲۴۹ھ، ۱۲۵۰ھ اور ۱۲۵۲ھ کا احاطہ کرتے ہیں۔ "انشائے مومن" میں محفوظ ہیں۔ طب، نجوم اور رمل وغیرہ کی اصطلاحات کو اپنی شاعری میں بھی ذریعہ اظہار بنایا ہے۔ اختر شناسی کا ذکر کلیات مومن میں کئی جگہ آیا ہے۔ جادو ٹونکے اور عملیات سے بھی دلچسپی تھی۔ ایک خط میں لکھا ہے کہ "از دیروز کہ دوشنبہ روز نیر اصغر بود عزائم خوانی بعمل آمد۔" (۱۴) مثنوی "حنین مغموم" میں بد بلا نے نئی محبوبہ کے کان بھر کر الزامات لگائے ہیں، ان میں عمل خوانی اور جادو و تسخیر کا الزام بھی شامل ہے اور مومن اپنی صفائی میں یہ کہتے ہیں۔

میں کہاں افسوں کہاں کس کا مجال
انتقام چشم جادو کا خیال
ابتدا سے منکر تسخیر ہوں
عامل افغان بے تاثیر ہوں

شطرنج سے بھی انہیں گہری دلچسپی تھی۔ اپنے زمانے کے مشہور شاطر اور قرابت دار

Scanned by CamScanner

کرامت علی خاں سے شطرنج کھیلتے تھے اور دن رات کو بھول جاتے تھے۔ کرامت علی خاں کی وفات (۱۲۵۹ھ) پر قطعہ تاریخ وفات (۱۵) انھوں نے کہا اس میں بھی شطرنج کی اصطلاحات منصوبہ، مات، خانہ، کشت، شہ رخ، زج، بساط وغیرہ سے اپنے دل کی بات ادا کی ہے۔

مومن مرد آزاد اور عاشق مزاج انسان تھے۔ ۲۶ سال کی عمر تک انہوں نے شادی نہیں کی اور عشق و عاشقی میں لگے رہے۔ اس میں وہ اتنے بدنام ہو چکے تھے کہ والد نے اپنے اکلوتے بیٹے کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا جس کی تصدیق مثنوی "شکایت ستم" کے ان اشعار سے بھی ہوتی ہے جب ان کے عشق کا پردہ فاش ہو گیا اور بدنامی ہو گئی تو گھر والوں نے بلا کر ان سے کہا:

آرزو تھی کہ نکلیں گے ارماں
کد خدائی کے کرتے تھے ساماں
نسبتوں کے کلام تھے کیا کیا
جا بہ جا سے پیام تھے کیا کیا
سن کے ایسے صفاتِ نامعقول
نہ کرے گا کوئی جہاں میں قبول

والد کی وفات کے بعد انھوں نے پہلی شادی سردھنہ میں سعد علی خان بہادر کے خاندان میں کی اور جب یہ شادی ناکام ہو گئی تو ایک خط میں لکھا کہ "سعد علی خاں بہادر ہمارے خاندان کے غلاموں میں سے تھا جس کو بیگم شمرو (اس ذلیل شخص کی آقا تھی) کی دولت مل گئی تھی۔ چنانچہ اس کا نام نجف خاں اور نجیب خاں کی ہم نشینی کی بدولت تاریخ عالم شاہی اور سیر المتاخرین میں رہ گیا۔" (۱۶) یہ شادی ۱۲۴۲ھ میں ہوئی۔ "انشائے مومن" کے ان دو خطوں سے شیخ ضامن کرم کے نام ہیں مومن کی اس تلخی کا اندازہ ہوتا ہے اس شادی کے بعد ان میں پیدا ہوئی اور جب شیخ ضامن کرم نے صلح صفائی کے لیے مومن خاں کو دوبارہ سردھنہ

Scanned by CamScanner

آنے کی نوبت آئی تو انہوں نے لکھا کہ "میں نے دو تین مہینے نادانی و سادہ دلی سے نادانوں کے ساتھ بیٹھنے کی غلطی کی تھی اب جب کہ میں فارغ البال اور خوش حال ہوں خدا نہ کرے کہ پھر اپنے آپ کو مصیبت میں پھنساؤں اور نادانوں کی مجلس میں شریک ہوں۔"(۱۷) اسی خط میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "اگر میں نے حرام سے توبہ کی ہے تو حلال تو ترک نہیں کیا۔ اگر آوارہ گردی سے پاؤں اٹھایا ہے تو نکاح سے تو ہاتھ نہیں اٹھایا۔ چونکہ میں نے نابکار جاہلوں سے تکلیف اٹھائی ہے اور بد اطوار گنواروں سے رشتہ کرنے میں مصیبتیں جھیلی ہیں اس لیے ارادہ ہے کہ کسی عالی خاندان سے قرابت کروں اور کسی شریف النسل زہرہ جمال کے دیدار سے آنکھوں کو تسکین دوں ورنہ دو تین جگہ سے نکاح کا پیغام اور وصال کا مژدہ آیا ہے۔ اگر وہ شخص (خسر) انصاف سے کام لے تو قیامت تک اس نسبت سے کہ میں اس کی لڑکی کو عقد نکاح میں لایا ہوں فخر و نازش کے سوا کوئی لفظ زبان پر نہ لائے   افسوس صد افسوس کہ میں نے اپنی بلند مرتبت کے باوجود گھاس کوڑے سے نباہ کیا۔"(۱۸) اپنے عالی خاندان ہونے کا احساس، ناقدری زمانہ کی شکایت اور اس شادی سے احساس محرومی اتنا گہرا ہو گیا تھا کہ تلخی ان کے مزاج کا حصہ بن گئی مومن کی اس تصویر سے بھی نمایاں ہے "دیوان مومن" مرتبہ ضیا احمد بدایونی اور "حیاتِ مومن" از عرش گیاوی میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد معلوم نہیں ہوتا کہ اس پہلی بیوی کا کیا ہوا۔ دوسری شادی انہوں نے خواجہ میر درد کے نواسے خواجہ محمد نصیر محمدی رنج دہلوی کی بیٹی سے ۱۲۳۵ھ میں کی۔ اس شادی کے بعد ان کا آخری عشق، جس کی روئیداد مثنوی آہ و زاری مظلوم (۱۲۳۶ھ) میں منظوم کی ہے، ناکامی پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے کوئی عشقیہ مثنوی نہیں لکھی۔ اس دوسری شادی کے قطعہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سرو کی طرح آزاد مومن نے زنجیر پہن کر اسیری قبول کر لی ہے۔

یعنی آں مومن آوارہ کہ در آزادی

بہ جہاں ضرب مثل بود چو سرو آزاد

ایں زماں پائے بہ زنجیر تعلق گشتہ
یوسفے بود سرد کار بہ زنداں افتاد
چہ خوش ایں واقعہ را گفت اسیرے تاریخ
مرغ بے بال و پر اندر قفس آمد فریاد (۱۹)

۱۲۴۷ھ میں ان کے ہاں احمد نصیر خاں پیدا ہوئے۔ نواب اصغر علی خاں اصغر کا قطعہ تاریخ دیوان نسیم میں مو د ہے۔ ۱۲۵۸ھ میں ایک لڑکا اور ۱۲۵۹ھ ایک بیٹی محمدی بیگم پیدا ہوئی۔ ان دونوں کے قطعات ولادت مومن نے خود کہے۔ ۱۲۶۱ھ میں ایک اور لڑکا پیدا ہوا دو سال بعد ۱۲۶۳ھ میں مر گیا اور ایک لڑکی فاطمہ سلطان بیگم ۱۲۶۵ھ میں مر گئی۔ (۲۰) جس کا قطعہ وفات مو د ہے۔

مومن نے اپنے عشق کو کبھی نہیں چھپایا بلکہ مثنویاں لکھ کر ان عشقوں کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ اپنے خطوط میں بھی وہ اپنے عشق کا اظہار بلا تکلف کرتے ہیں۔ حکیم احسن اللہ خاں کے نام ایک خط میں لکھا ہے کہ "آج کل میں کسی کے گیسو کے خم میں تازہ اسیر ہوا ہوں۔" (۲۱) ایک اور خط میں لکھا ہے کہ "دل ہاتھ سے دینا اور دل پر ہاتھ رکھنا محال ہے۔ کسی کے انتظار میں لگے رہنا اور پھر بھی اپنے کو قابو میں رکھنا محض خیال ہے۔ میں ہوں اور آنسوؤں کی جھڑی کسی کے قامت کے الف نے میرے خیال کی قوت زائل کر دی ہے۔ (۲۲) عشق و عاشقی ان کا مزاج تھی۔ اس میں وہ اتنے بدنام تھے کہ دنیا جہاں ان کے اس مزاج سے واقف تھی۔" تف آتشیں" والی محبوبہ نے اسی لیے تف کیا تھا۔ اس مثنوی میں اپنے مزاج عاشقی کو خود بھی بیان کیا ہے:

اور ہمیں بھی چاہ کا لپکا
عشق دل و جاں کاہ کا لپکا
مہر دشوں سے لاگ سی دل کو
گرم رکھے اک آگ سی دل کو

Scanned by CamScanner

اک شہ اک سے کام ہی رہے

ہم سدا بدنام ہی رہوے (۴۳)

مومن دہلی کے ایک سربرآوردہ خاندان کے چشم و چراغ تھے اور اس طرح زندگی بسر کرتے تھے جس طرح اس دور کے رؤسا کا شیوہ تھا لیکن مالی اعتبار سے ان کی حالت خستہ تھی۔ عبدالقادر خاں چیف رامپوری نے لکھا ہے کہ ''اکنوں مانند دیگر خاندان ہائے دہلی بہ عسرت بسری بروند۔'' معاشی بدحالی کی یہ صورت، انگریزوں کے تسلط کے بعد، نہ صرف دہلی بلکہ سارے ہندوستان میں عام طور پر نظر آتی ہے۔ مومن کے فارسی خطوط سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ پلاہہ پرگنہ نارنول میں جاگیر شاہ عالم ثانی نے اس خاندان کو دی تھی، دہلی پر انگریزی کے قبضے کے بعد، جھجر کا سارا علاقہ کمپنی بہادر کے وفادار نواب فیض محمد خاں کو دے دیا گیا تھا اور اسی کے ساتھ مومن خاں کے اسلاف کی یہ جاگیر بھی نواب فیض محمد خاں کی جاگیر میں چلی گئی تھی جس کے عوض ایک ہزار روپیہ اس خاندان کے ورثاء کو ملتا تھا جس میں مومن کا بھی حصہ تھا اور یہ بھی باقاعدگی سے وقت پر نہیں ملتا تھا۔ مومن نے ایک خط میں لکھا تھا کہ ''خزانچیوں کی زیادتی کی دہائی کہ اتنی بے تکلفی کے باد زر سالانہ نہیں بھیجا۔ نواب صاحب کی ضمانت سے بھی کام نہیں نکلا۔ ایک مہینے کا دعدہ سو ماہ کے برابر ہو گیا۔'' (۴۴) مومن کی مالی حالت اتنی خراب تھی کہ سسرال سے ملا ہوا مکان بھی فروخت کر دیا تھا۔ ایک اور خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا کوئی اور مکان بھی بیچنا چاہتے تھے اور اسی لیے اسے کرائے پر دینا نہیں چاہتے تھے۔ (۴۵) وہ زمین مومن خاں کو ورثے میں اپنی والدہ کی طرف سے ملی تھی اسے بھی انگریز ریذیڈنٹ فریزر نے زبردستی چھین لیا تھا۔ یہ وہی فریزر ہے جسے نواب شمس الدین خاں نے قتل کر دیا تھا اور پھانسی چڑھے تھے۔ ایک خط میں لکھا ہے کہ ''ایک نیا ظلم پرانے دشمن نے کیا یہ ہے کہ تھوڑی سی زمین مجھے والدہ سے ورثے میں ملی تھی وہ بھی زبردستی چھین لی گئی۔ اس اجل گرفتہ (فریزر) نے کہ جس کے قتل سے اب تک فتنہ بپا ہے اور جس کی روح ناپاک، جنات کی طرح

ہل چل ڈالے ہوئے ہے۔ اپنے مقتول ہونے سے ایک دن پہلے میری موروثی زمین پر میرے نانِ جویں کے لیے کافی تھی اور سرکار اندر پت میں تھی، ضبط کر لی۔"(۲۶) مالی اعتبار سے مومن خاں کی حالت غالب خستہ سے بھی زیادہ خستہ تھی لیکن وہ ساری عمر عزت نفس اور خود داری و وضع داری کے ساتھ نبھاتے رہے۔ بعض دفعہ اتنے پریشان ہوتے تھے کہ دہلی کو چھوڑ کر چلے جانا چاہتے تھے جس کا اظہار اپنے خطوط میں کیا ہے۔ ایک خط بنام غلام حسین خاں میں لکھا ہے کہ "اس اجڑے دیار میں جاہل اور بے قدر کافروں کے ہاتھ میں پڑ کر شرفا کی قدر کیمیا کی خاصیت اور دولت و اقبال عنقا کا حکم رکھتا ہے، اس نظر سے سفر لکھنؤ کا ارادہ ہے۔ اگر وہاں کار براری ہوئی فبہا ورنہ اُس ملک کا ارادہ بھی دل میں ہے کیوں کہ اکثر لوگوں نے ارباب کمال خصوصاً شعرا کے حق میں لالہ چندو لال بہادر کی قدر دانی کا ذکر کیا اور یہ ہیچ مدان اس باغ کی خوشبو کے تصور سے مست ہے اگر حق تعالیٰ کو منظور ہے تو وہاں پہنچ کر دولت قدم بوسی سے سعادت حاصل کروں گا اور لالہ صاحب مذکور کے والد کا ارتباط، ہمارے خاندان سے رہا ہے، عرض کروں گا۔"(۲۷) اس مالی تنگی اور پریشان حالی نے مومن کے اندر ناقدری اور شکایت زمانہ کے احساس کو جنم دیا۔ جس کا اظہار افتخار اور خود پسندی کی صورت میں اپنے خطوط اور فارسی و اردو شاعری میں کیا ہے:

منم کہ نیست قرانم ہیچ قرن و زمن
منم کہ نیست نظیرم ہیچ شہر و دیار
نبود و نیست عدیل من امتحاں ایک
ز زندگان لب و خامہ زمردگاں اشعار (۲۸)

معاشی الجھنوں نے ناقدری و شکایت زمانہ کے احساس کو گہرا کر کے ان میں انگریز دشمنی کے جذبے کو تیز تر کیا تھا اور وہ کاغذ و قلم کے کام سے بھی دست بردار ہو جانا چاہتے تھے۔ ایک خط بنام حکیم احسن اللہ خاں میں لکھا ہے کہ "میرے آئینہ پر کس مپرسی کی زنگار اس قدر جم گئی

Scanned by CamScanner

ہے کہ صرصر حوادث کا غبار بھی اس کو جلا نہیں دے سکتا۔ میرے یوسف (کلام) کو بڑھیا کے سوت کی انٹی کے بدلے بھی لوگ نہیں خریدتے اور اس کو چاہ کنعاں سے کھوٹے سکوں کے عوض بھی نہیں نکالتے۔ ید بیضا کے معجزے کے باوجود میں خالی ہاتھ ہوں اور دم عیسیٰ کے ہوتے ہوئے بیماری میں مبتلا ہوں ... یہ کاغذ و قلم کی زحمت بھی آپ کے تعمیل حکم میں ہے ورنہ نقد سخن کی بے قدری سے لکھنے پڑھنے کا دماغ کس کو ہے۔"(۲۸)

از علم بہ تنگم از دلم بیروں باد
محزوں شدم از ہنر ہنر محزوں باد
از کاوش دانشم دلم پرخون است
یارب کہ دروں دانشم پر خوں باد

مومن نے اپنی شاعری کے بالکل ابتدائی زمانے میں اس وقت کے بڑے مشہور استاد شاہ نصیر دہلوی کو غزلیں دکھائیں مگر ان کا شعری مزاج شاہ نصیر سے مختلف تھا اس لیے جلد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ مومن کی شاعری کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ بارہ تیرہ برس کے تھے۔ ۱۲۳۱ھ میں جب اپنی پہلی عشقیہ مثنوی "شکایت ستم" مکمل کی تو ان کی عمر سترہ برس کی تھی۔ یقیناً کچی پکی شاعری کا آغاز اس سے چند سال پہلے ہو گیا ہوگا۔ اس طرح ان کی شاعری کا آغاز ۱۲۲۷/۱۲۲۸ھ متعین کیا جا سکتا ہے۔ فائق رامپوری نے بھی ۱۲۲۷ھ آغاز شاعری کا سال متعین کیا ہے۔ (۳۰)

وفات سے پانچ مہینے پہلے صفر کے مہینے میں گھر کی چھت پڑ رہی تھی۔ مومن نگرانی کر رہے تھے کہ اچانک پیر پھسلا اور وہ بے طرح زمین پر آ رہے۔ ہاتھ اور بازوؤں کی ہڈیاں بری طرح ٹوٹ گئیں۔ علاج کیا لیکن افاقہ نہیں ہوا۔ زائچہ دیکھا تو کہا کہ میں صرف پانچ مہینے اور زندہ رہوں گا اور اس حادثے کی تاریخ "دست و بازو بشکست" (۱۲۶۸ھ) لکھوائی اور یہ قطعہ کہا:

Scanned by CamScanner

مومن فتاد از بام گفتم چہ رفت گفتا
خود باخروش گفتم بشکست دست و بازو
گفتم کہ بایدت گفت، تاریخ ایں مصیبت
گفتا خموش گفتم ''بشکست دست و بازو'' ۱۲۶۸ھ

یہی تاریخ حادثہ ان کی تاریخ وفات ثابت ہوئی۔ غالب نے اپنے ایک خط بنام منشی نبی بخش حقیر مورخہ یکم شعبان ۱۲۶۸ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۸۵۲ء میں لکھا کہ ''سنا ہوگا کہ مومن خاں مر گئے۔ ان کو مرے ہوئے دسواں دن ہے..... مومن خاں میرا ہم عصر اور یار بھی تھا۔ بیتالیس تنتالیس برس ہوئے یعنی چودہ چودہ پندرہ پندرہ برس کی میری اور اس مرحوم کی عمر تھی۔ مجھ میں اس میں ربط پیدا ہوا۔ اس عرصے میں کبھی کسی طرح رنج و ملال درمیان نہ آیا..... یہ شخص اپنی وضع کا اچھا کہنے والا تھا۔ طبیعت اس کی معنی آفریں تھی۔ (۳۱) غالب کے اس خط کی رو سے یکم شعبان کو دسواں دن تھا یعنی ۲۱ رجب ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۸۵۲ء کو مومن کی وفات ہوئی۔ یکم شعبان ۱۲۶۸ھ/۱۲ مئی ۱۸۵۲ء کو جمعہ کا دن تھا اور ۲۱ رجب کو چارشنبہ (بدھ) تھا۔ عرض گیاوی نے جمعہ کا دن بتایا ہے صحیح نہیں ہے۔ مومن خاں کی خواہش کے مطابق دلی دروازے کے باہر مہندیوں میں شاہ عبدالعزیز اور ان کے خاندان کے مقابر کے احاطے کی دیوار کے باہر انہیں دفن کر دیا گیا۔ ان کی وفات کے ۹۵ سال بعد پروفیسر احمد علی دہلوی نے قبر کو پختہ کرا کے اس پر کتبہ لگوا دیا۔ کاش یہ شعر بھی لکھوا دیتے:

سنگ مرقد سے مرے فیض ہے سب کو مومن
ہوں نہ خاک بھی طوطی پسِ آئینہ

برسوں بعد جب احاطہ کی گری ہوئی دیوار دوبارہ بنائی گئی تو مومن کی قبر کو بھی اندر لے لیا گیا۔ ان کی وفات پر متعدد شعرا نے قطعات تاریخ لکھے۔ آگہی نے ''ماتم مومن خان'' سے سال وفات نکالا اور غالب نے یہ رباعی لکھ کر اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔

Scanned by CamScanner

ترسا است کہ روئے دل فراہم ہمہ عمر

چوں نام بہ لب زدہ باشم ہمہ عمر

کافر باشم اگر بہ مرگ مومن

چوں کعبہ بہ پاش نہ باشم ہمہ عمر

شاعری میں مومن کے بہت سے شاگرد تھے جن میں ۳۸ کے نام فائق رام پوری نے اور ۴۴ کے نام ظہیر احمد صدیقی نے اپنی کتاب میں دیے ہیں جن میں نواب مصطفیٰ خان شیفتہ و حسرتی، نواب محمد اصغر علی خاں نسیم دہلوی، میر حسن تسکین، میر عبدالحق آہی، حکیم مولا بخش قلق میرٹھی، مرزا قربان علی بیگ سالک، مرزا محمود بیگ راحت دہلوی وغیرہ ممتاز ہیں۔ دیوان مومن کا پہلا ایڈیشن ۱۸۴۶ء میں شیفتہ نے مرتب کیا اور دوسرا ایڈیشن ۱۲۸۴ھ میں آگہی نے مرتب کیا مطبع نول کشور سے شائع ہوا۔

مومن مغلیہ سلطنت کے زوال اور انگریزوں کے تسلط سے انتہائی ناخوش تھے جس کا اظہار نہ صرف اپنے خطوط میں کیا ہے بلکہ متعدد اشعار میں بھی اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ "دیوان فارسی" میں عرفی کے قصیدے پر قصیدہ لکھا اس کے دو شعر یہ ہیں:

ایں عیسویاں بلب رسانند

جاں من و جان آفرینش

برخیز کہ شور کفر برخاست

اے فتنہ نشان آفرینش

جنگ کابل میں جب انگریزی فوج کا قافلہ افغان مجاہدوں نے تباہ کر دیا اور انہیں کابل چھوڑنا پڑا تو مومن نے دو قطعات تاریخ (۳۳) کہے جن سے ان کے دلی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔

بہ ارباب ایماں در آویختند

زبس کافران ہزیمت نصیب

برآورد سر مومن ما و گفت

کہ نصرٌ من اللہ فتح قریب ۱۲۹۶-۴۰=۱۲۵۶ھ

بخواری ز کابل بروں آمدند

چوں کفار ملعون ذلت قریں

ز روئے یورش سال تاریخ فتح

ملک گفت فضل علی المومنین

۱۲۳۸+۱۶=۱۲۵۴ھ

جب مولانا محمد اسحٰق نے دارالحرب سے حرم کعبہ ہجرت کا عزم کیا تو چھ شعر کا قطعہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

از کشور ہند رخت بربست

بیزار ز کافران اظلم

بگذاشتہ دارحرب اسال

جاکردہ بہ مکۂ معظم

''مثنوی جہادیہ'' سے بھی مومن کے انداز فکر اور جذبہ جہاد پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ اپنے ذاتی مصائب اور قومی تباہی کو انگریزی تسلط واقتدار کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ ایک نظام ٹوٹ رہا تھا اور ایک استعماری نظام اس کی جگہ لے رہا تھا۔ اسی کے ساتھ معاشی، معاشرتی واخلاقی قدریں بدل رہی تھیں اور ہندوستانی علوم وفنون کی قدر و قیمت گھٹ رہی تھی۔ چاروں طرف بدحالی نے گھر کر لیا تھا اور اہل علم، اہل فن، اہل ہنر، امرا، نوابین اور پیشہ ور پریشان حال تھے۔ مومن کے اندر انگریزوں سے نفرت کا زہر بھرا ہوا تھا وہ انہی حالات کا نتیجہ تھا۔ ان میں ایسی خودداری وعزت نفس تھی کہ وہ غالب کی طرح کسی انگریز ملکہ یا کسی حاکم کی شان میں قصیدہ نہیں لکھ سکتے تھے۔ انھوں نے انی ہی میں حضرت صاحب سید احمد شہید

Scanned by CamScanner

بریلوی کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ انیس سال کی تھی۔ کلب علی خاں فائق رامپوری نے تاریخ بیعت رجب ۱۲۳۴ھ اور ۴ شعبان ۱۲۳۴ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۸۱۸ء اور ۲۹ مئی ۱۸۱۹ء کے درمیان متعین کی ہے (۳۴)۔ مومن کو سید صاحب کی تحریک جہاد میں انگریزوں سے نجات کا راستہ اور امید کی کرن نظر آ رہی تھی۔ مثنوی جہادیہ کے علاوہ اردو شاعری میں بھی وہ تحریک جہاد سے اپنی وابستگی کا مسلسل اظہار کرتے رہے۔ انکی جذبہ جہاد ان کے نزدیک عظمت رفتہ کو واپس لانے کا ذریعہ بن سکتا تھا۔

شوق بزم احمد و ذوق شہادت ہے مجھے
جلد مومن لے پہنچ اس مہدی دوراں تلک

زمانہ مہدی موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے کہیو تو سلام پاک حضرت کا

مومن کی شاعری پر اس جہادیہ تحریک کا گہرا اثر تھا۔ آج غزل کے رموز و کنایات میں یہ پہلو چھپ گیا ہے لیکن اس دور کے لوگوں کو یہ اشعار براہ راست متاثر کر رہے تھے۔

شخصیت کے دو روپ ہوتے ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری روپ کسی شخص کے چہرے مہرے سے پیدا ہونے والے مجموعی تاثر سے ظاہر ہوتا ہے اور باطنی روپ اس شخص کی بات چیت اس کے طرز عمل، اس کے انداز فکر، اس کے ذہنی رویوں اور احساس جمال سے پیدا ہوتا ہے اور اس کی تحریروں اور تخلیقی اظہار سے سامنے آتا ہے۔ ظاہری روپ پر باطنی روپ کی چھوٹ پڑتی ہے اور ظاہری روپ باطنی روپ کو سایہ فراہم کرتا ہے۔ مومن خاں کا ظاہری روپ تو وہ ہے اس لفظی تصویر سے ابھرتا ہے جس کا نقشہ مرزا فرحت اللہ بیگ نے کھینچا ہے۔ (۳۵) اور دوسری طرح مومن کی اس واحد تصویر سے سامنے آتا ہے عرش گیاہی "حیات مومن" اور ضیا بدایونی کے مرتبہ "دیوان مومن" میں شامل ہے۔ تصویر کو دیکھ کر گہری سنجیدگی، رئیسانہ وضع قطع اور خوش پوشاکی کے ساتھ یہ تاثر بھی ابھرتا ہے کہ صاحب تصویر ایک

Scanned by CamScanner

خوب صورت داڑھی اور تندرست وتوانا جسم ہے۔ سوالیہ نشان آنکھیں اور لمبی شبیں گہری سوچ کا اشارہ ہیں۔ شگفتہ ہونٹ آنکھوں سے مل کر اضطراب اور کرب کو ظاہر کرتے ہیں۔ صاحب تصویر کے باطن میں طوفان برپا کیے ہوئے ہے۔ مومن کی شخصیت کی اصلی روپ ان کی نثری تحریروں اور ان کی شاعری سے سامنے آتا ہے۔ وہ حکیموں کے نامی خاندان کے چشم چراغ تھے۔ فارغ البالی اور عزت وامیری انھیں ورثے میں ملی تھی لیکن انگریزی راج کے بعد اس خاندان کی جاگیران کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ ان ناانصافیوں کا اثر انگریزوں سے نفرت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جس کا اظہار انھوں نے اپنے فارسی خطوط اور فارسی واردو شاعری میں کیا ہے۔ ورثے میں ملی ہوئی وضع داری، خاندان کی بڑائی کا احساس اور جاگیردارانہ دور کی قدروں کی پاس داری مومن کا سرمایہ حیات تھی۔ ان کی خود پسندی اسی طرز فکر کا نتیجہ تھی۔ اسی غیرت وخودداری کے باعث انھوں نے کسی کی نوکری نہیں کی اور کسی امیر،نواب یا بادشاہ کی مدح میں قصیدہ نہیں لکھا۔ ان کے کلام میں دو قصیدے ملتے ہیں ان میں سے ایک میں رئیس پٹیالہ راجا اجیت سنگھ کا شکریہ ادا کیا ہے جس نے انہیں ہاتھی کا تحفہ دیا تھا۔ اس قصیدے میں بھی راجا کی مدح وشکریہ ادا کرنے کے ساتھ اپنی بڑائی کا اظہار بھی کیا ہے۔

شاعر بے نظیر ہوں سحر بیاں دبیر ہوں
دم ہے مرا نمونۂ معجزۂ پیمبری
سحر حلال سے مرے جادوئے سامری خجل
طور کلیم اوج فکر ، نور خدا فسوں گری
میری زبان میں وہ بات جس سے ملک سخن پرست
میرے بیان میں وہ سحر جس سے جنوں زدہ پری

اور ایک قصیدے میں والی ٹونک نواب محمد وزیر خاں کی مدح کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر نہ ہونے پر معذرت کی ہے حتی کہ نعتیہ قصیدہ میں بھی سلیقے سے اپنی بڑائی کا اظہار کیا ہے۔

Scanned by CamScanner

مٹے ہیں خاک میں کیا کیا مرے فنون و علوم
خدا کسی کو نہ دے ایسے طالع منکوس
حکیم وہ ہوں کہ جاتے رہیں حواس اگر
کرے معارضہ سر دفتر عقول و نفوس
کروں گردش انجم کی میں رصد بندی
فدا ہو وجد میں آکر روان بطلیموس

اس انداز فکر سے ان کے اندر ناقدری زمانہ کا شدید احساس محرومی پیدا ہوا جس کا اظہار وہ اپنی شاعری اور اپنے خطوط میں بار بار کرتے ہیں۔ ایک خط بنام احسن اللہ خاں میں لکھتے ہیں کہ "المختصر میں اس طرح نغمہ سرائی کرتا ہوں کہ بلبل بھی میری ہم سری نہیں کر سکتی اور گل افشانیاں کرتا ہوں کہ زر گل ان کی حسرت میں جلتا ہے لیکن کیا کروں کہ سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں نہیں۔" (۳۶) ایک اور خط میں لکھتے ہیں کہ "زمانے کی ناقدری اور نافہمی کے باعث کوئی مرا خریدار نہیں ہے اور میرے آب دار موتیوں کا تاریکی میں بھی بازار مندا ہے...... اس ناقدری کے باد دمیں نے کبھی ہنر کی آبرو نہیں بیچی اور امراء کی آستین سے توقعات وابستہ نہیں کیں۔ میں نے جَو کی روٹی پر قناعت کی ہے اور آسمان کے خوشہ گندم پر کبھی نظر نہیں ڈالی ...... اور یہ کاغذ و قلم کی زحمت بھی آپ کے تعمیل حکم میں ہے ورنہ نقد سخن کی بے قدری سے لکھنے پڑھنے کا دماغ کس کو ہے۔" (۳۷) اسی کشمکش سے ان کی ساری زندگی عبارت ہے۔ اس سطح پر انھوں نے حالات زمانہ سے کبھی سمجھوتا نہیں کیا اور اسی وجہ سے ان کے مسودات منتشر پڑے رہے اور ان کا اردو دیوان مصطفیٰ خاں شیفتہ اور پھر عبدالرحمٰن آہی نے اور خطوط و فارسی کلام حکیم احسن اللہ خاں نے مرتب و شائع کیا۔

مومن عاشق مزاج و رنگین طبع انسان تھے۔ نو سال کی عمر سے اکتیس سال کی عمر تک وہ مختلف عشقوں میں گرفتار رہے جس کا اظہار انہوں نے اپنی چھ عشقیہ مثنویوں میں کیا ہے۔ یہ عشق

Scanned by CamScanner

وصل کا پجاری ہے اور جسم کی آگ بجھانے کا وسیلہ ہے۔ اس میں وہ اتنے بدنام تھے کہ والد نے اپنی زندگی میں ان کی شادی نہیں کی اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے اور سب کے چہیتے تھے۔ انکی شاعری اور بالخصوص عشقیہ مثنویاں ان کی زندگی کی ترجمان ہیں۔ یہی عشق ان کی شاعری کو روشن کرتا ہے جس کے رنگا رنگ تجربوں کا اظہار انھوں نے اپنی غزلوں میں کیا ہے۔ مثنوی "قصہ غم" (۱۲۳۵ھ) میں مومن نے اپنے رنگ مزاج کا تعارف اس طرح کرایا ہے۔

تھا نام تو مومن اور دیں کفر
جاں محو بتاں و دل نشیں کفر
رسوائے زماں و تیرہ ایام
آوارہ و ہرزہ گرد و بدنام
ربط اس کو بتان نازنیں سے
دنیا سے نہ کام کچھ، نہ دیں سے
مدہوش شراب نوانی
سرشار نشاط و شادمانی
آرام و طرب میں صرف اوقات
مشغول سرور و عیش دن رات
ں غنچہ سدا کھلے ہی جانا
ہر وقت ہر آن مسکرانا
دیوانوں سے شوق بے نہایت
اشعار کا ذوق بے نہایت
تصحیح سخن پہ طبع مائل
علم شعرا میں فرد کامل

Scanned by CamScanner

بے بدلہ تھی نہ بات کوئی
ختم اس پہ ہوئی لطیفہ گوئی
ہر نیک و بد اس سے آشنائی
سارے ہی جہاں سے آشنائی

مومن اس دور کے طبقہ خواص سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنی شاعری میں بھی وہ
سے مخاطب ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "ابھی میں زندہ ہوں اور بہت کچھ لکھوں گا
ہے اور اس کی گواہی کافی ہے کہ امسال بھی بہت سے مکاتیب سپرد قلم کیے گئے لیکن
کے مضامین نازک روزمرہ عوام میں بیان کیے گئے اس لیے ان کی نقل کی میں نے پروا نہیں کی
اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ گدھے گھوڑے کے ساتھ یکساں سلوک کریں گے تو سو جزو
بھیج دیتا۔" (۳۸)

مومن کی شخصیت اور مزاج کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہل چل مچا دینے والا اضطراب ان کے مزاج کا جزو اعظم تھا۔

ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر
غم پر حرام خوار توکل نہ ہو سکا

یہی وہ تخلیقی کرب ہے ان کی شاعری کا ہر ہے۔ اسی سے ان کی شخصیت کا باطن روشن تھا جس کا اظہار ایک خط میں اس طرح کیا ہے کہ "پہلا ظلم اس بے رحم (آسمان) نے مجھ پر کیا یہ ہے کہ میرے خمیر کو دل سوختہ اور جگر برشتہ کی خاک سے آمیختہ کیا اور جس دن میرا قالب تیار کیا تو اس میں شور محبت کو ملا دیا۔ خدا کی شان جس نے کبھی جفا نہ دیکھی تھی اس نے جفائیں برداشت کیں اور جس نے کبھی ستم نہ سہے اس نے ستم اٹھائے۔" (۳۹) اس انداز نظر نے ایک ایسے احساس برتری کو جنم دیا کہ وہ اپنی ذات کے حصار سے نہ نکل سکے اور اسی لیے خوشامد سے بھی دور رہے۔ ان کے دوسرے بڑے معاصر مرزا غالب اس سے نہ بچ سکے۔ غالب نے

Scanned by CamScanner

خطوط سربرآوردہ شخصیات کو لکھے یا درخواستیں انگریزی سرکار میں بھیجیں یا قصائد ملکہ وکٹوریہ اور حکمران بالا کی مدح میں لکھے ان میں زمانہ سازی و خوشامد شامل ہے لیکن مومن نے کبھی یہ نہیں کیا۔ فریزر نے ان کی والدہ والی زمین ان سے چھین لی لیکن مومن نے کوئی درخواست اس سلسلے میں نہیں دی۔ انھوں نے مال دار سسرال کو ٹھکرا دیا اور شیخ ضامن کرم کو لکھا۔

"مانا کہ میں خاک میں مل گیا ہوں لیکن اب بھی آسمان کی ہم سری کو ننگ سمجھتا ہوں اور اگرچہ بے سروسامان ہوں لیکن سفلوں کی خوشامد کو اپنے رتبے سے فروتر خیال کرتا ہوں۔" (۴۰) اسی لیے مومن صاف گو انسان تھے۔ مصلحت اور کینہ و حسد سے ان کا دل پاک تھا۔ انہوں نے کبھی کسی کی ہجو نہیں لکھی اور نہ اپنی ذاتی و خاندانی شرافت سے دور ہوئے۔ ایک خط میں یہ شعر لکھ کر اپنے مزاج اور اپنے رسم و آئین کا اظہار کیا ہے۔

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن
آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

مومن کی زندگی میں مذہب بڑی اہمیت رکھتا ہے لیکن ساتھ ہی عشق کی رنگینی اور آرزوئے وصل کی آگ بھی روشن ہے۔ وہ دونوں کو ساتھ لے کر چلتے اور ایک کو دوسرے پر قربان نہیں کرتے۔ جب والی ٹونک نے انھیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور حج پر بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے معذرت کے ساتھ تشکر کا اظہار کرتے ہوئے اس قصیدے میں یہ بھی لکھا کہ مجھے اس کے در کا شوق افزوں ضرور ہے:

پر کروں کیا بن نہیں آتی
ورنہ میں اور تیرہ پیمانی
سوچ سوچ اپنے دل میں ڈرتا ہوں
گو ہوں وسواس ہائے شیطانی
ہے ابھی آرزوئے وصل صنم
ہے ابھی حسرت ہوس رانی

Scanned by CamScanner

قمر انجام سے راہ ہوئی
سن چکا ہوں حدیث صنعانی
بعد یک چند گر خدا چاہے
میں ہوں اور تیرے در کی دربانی

انہی میں وہ سید احمد شہید بریلوی سے بیعت ہو کر تحریک جہاد میں ذہنی طور پر شریک ہو گئے تھے جس کا اظہار ان کی شاعری اور خطوط سے ہوتا ہے۔ ایک مثنوی ''جہاد'' کے موضوع پر ان کے کلیات میں ملتی ہے۔ عقائد کے سلسلے میں وہ بہت کٹر تھے۔ فضل حق خیر آبادی سے اسی وجہ سے اختلاف ہوا جس کا اظہار اس شعر سے بھی ہوتا ہے۔

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

جب جسم کی آگ ٹھنڈی پڑی اور مومن اپنے بال بچوں میں پھنس گئے تو یہ رنگینیٔ عشق بھی کم ہو گئی اور مذہبی رنگ گہرا ہو گیا مرتے دم تک ان کے ساتھ رہا۔

مومن جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں۔ خوب صورت و وجیہہ جوان تھے۔ انھیں خاندانی عظمت کے ساتھ اپنے حسین و جمیل ہونے کا بھی شدید احساس تھا۔ وہ عاشق بھی ہیں تو معشوق مزاج ہیں۔ ایک خط میں خود بھی لکھا ہے کہ ''عاشق معشوقانہ مزاجم و باصد نیاز مند بیجا بے احتیاج۔ عاشق وفا شعارم اما غیرت مند و بندہ حق گزارم الا خریدار پسند'' اسی مزاج کی وجہ سے ان کا عشق یک طرفہ نہیں ہوتا۔ معشوق بھی عشق میں مبتلا ہو اور عاشق بھی۔ عاشق و معشوق دونوں ایک ساتھ ایک دوسرے پر عاشق ہوں اور دونوں ایک دوسرے کے لیے معشوق بھی ہوں۔

معشوق سے بھی ہم نے نبھائی برابری
واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا

ہیں اسیر اس کے ہے اپنا اسیر
ہم نہ سمجھے صید کیا صیاد کیا

یہی وہ عشق ہے کامیابی سے چل سکتا تھا۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ دونوں کے جذبے اور ذہن کی سطح ایک ہو اس لیے ممکن نہیں تھی کہ معشوقانہ مزاج والے عاشق مومن خاں غیر معمولی احساس اور ذہن کے مالک تھے اسی لیے ان کے زیادہ تر عشق ناکامی سے ہم کنار ہوئے اور اگر مومن کی کسی کے ساتھ کوئی ذہنی سطح بنی بھی تو وہ امتہ الفاطمہ صاحب تھی پہلے مومن پر عاشق ہوئی اور پھر مومن نبض دیکھتے ہوئے اس پر عاشق ہوئے۔ اب دونوں ایک دوسرے کے عاشق بھی تھے اور ایک دوسرے کے معشوق بھی۔ عشق کا یہی رنگ ان کی شاعری میں رنگ بھرتا ہے اور اسی وجہ سے مومن کا عشق اردو شاعری کے روایتی تصور عشق سے قدرے الگ ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "ہاں اگر مجھے کسی چیز کی طمع ہے تو وہ یک دلی اور یکتائی ہے اگر میں کوئی چیز گننے کے قابل سمجھتا ہوں تو وہ جنس محبت و آشنائی ہے۔" (۴۱)

رنگا رنگی ان کے مزاج میں شامل تھی۔ وہ نجوم و رمل پر پوری قدرت رکھتے تھے اور ان کے کئی قصے مشہور تھے۔ ایک وہ چھپکلی والا واقعہ کہ انہوں نے اپنے شاگرد سکھانند سے کہا کہ "یہ چھپکلی دیوار پر نظر آ رہی ہے اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلے گی جب تک پورب کی طرف سے اس کا ژانہ آ جائے۔ ابھی وہ بات کر ہی رہے تھے کہ بنارس کا سوداگر کپڑوں کے دو گٹھے لے کر آیا۔ گٹھری مزدور کے سر سے اتاری ہی تھی کہ پٹ سے ایک چھپکلی نیچے گری اور دوڑ کر سامنے کی دیوار پر چڑھ کر اس سے آ ملی اور دونوں مل کر ایک طرف چلی گئیں۔" (۴۲) "آب حیات" میں آیا ہے کہ ایک غریب ہندو بے قرار و پریشان مومن خاں کے پاس آیا اور کہا کہ اس کے زیوروں کا ڈبا چوری ہو گیا ہے۔ ساری عمر کی کمائی لٹ گئی۔ مومن خاں نے اس سے کئی سوال کیے اور کہا کہ یہ ڈبا تم نے لیا ہے یا تمہاری بیوی نے۔ باہر سے کوئی نہیں آیا اور کہا جا کر جنوب کے رخ پر کوٹھری ہے اس میں شمال کی جانب ایک لکڑی کا مچان ہے اس کے اوپر مال مو د

Scanned by CamScanner

ہے۔ اس نے کہا حضور تین دفعہ چھان چھان مارا۔ کہا کہ پھر دیکھو وہیں ملے گا۔ وہ پھر گیا، روشنی میں دیکھا تو وہ ڈبا اور سارا زیور موجود تھا۔'' (۴۳) شطرنج ان کا شوق تھا۔ عملیات سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ علم ریاضی پر قدرت تھی۔ ہر سال تقویم تیار کرتے اور سال بھر اسی سے واقعات، حالات کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے رہتے۔ کسی نے ایسے بہت سے واقعات آزاد کو لکھ کر بھجوائے تھے جنہیں وہ اس لیے شامل تذکرہ نہ کر سکے کہ لوگ اعتراض کریں گے کہ ''تذکرہ شعرا لکھنے بیٹھا اور نجومیوں کا تذکرہ لکھنے لگا۔'' (۴۴)

شاعری کے معاملے میں وہ حد درجہ سنجیدہ تھے۔ ایک خاتون کو اپنی غزل بھجوائی اس نے ابا خط میں لکھا کہ ''یہ غزل آپ نے تفریح مزاج کے طور پر لکھی ہے۔ مومن برا مان گئے۔ لکھا کہ ''اگر پسند ہو تو کاتب الحروف سے نئی غزلیں لکھوا کر بھیجوں۔ الٰہی یاوہ گویوں کی بات کا کیا اب دوں۔ اس غزل سے اور تفریح سے کیا علاقہ...... آئندہ زحمت نہ دیں کہ مجھے اس قدر دماغ نہیں۔'' (۴۵)

مومن کو اپنی ذات اور اپنی شاعری دونوں پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ اپنے خطوط میں، خصوصاً وہ خط انھوں نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حکیم احسن اللہ خاں کو لکھے ہیں، اپنے فن، اپنی زبان، اپنی فصاحت و بلاغت کے بارے میں بلا تکلف لکھتے ہیں کہ:

بحکم نادرہ سنجی یگانۂ دہرم
نہ کس بہ نظم عدیلم نہ کس بہ نثاری

(ندرت کلام کے لحاظ سے میں زمانے میں یکتا ہوں اور نہ کوئی نظم میں میرا ہم سر ہے اور نہ نثر میں)(۴۶)

اسی مزاج سے مومن کا تخلیقی عمل تشکیل پاتا ہے۔ وہ مضامین خیالی سے دامن بچاتے ہیں اور اپنے تجربوں کے نور سے اپنی شاعری کے در و دیوار روشن کرتے ہیں۔ حکیم احسن اللہ خاں نے مومن خان کو لکھا کہ وہ مضامین خیالی لکھ کر پیش کریں۔ مومن خاں نے اب دیا کہ ''مضامین خیالی لکھ کر پیش کروں یہ مناسب نہیں کیوں کہ سخن سازی ارباب صدق و صفا کا شیوہ نہیں۔'' (۴۷) یہی

انداز نظر مومن کے تخلیقی عمل کا حصہ ہے جس کا اظہار ایک اور خط میں وضاحت کے ساتھ کیا ہے:

''نکتہ شناس جانتے ہیں کہ اطمینان خاطر کے بغیر دل نشین نکتے نہیں سوجھتے اور عالی نظر سمجھتے ہیں کہ کافی غور کے بغیر شاہد معنی کا چہرہ (چشم آفتاب ہی کیوں نہ ہو) دکھائی نہیں دیتا۔ بے تکلفی کی حالت میں شاعرانہ تکلف بن نہیں پڑتا اور انتشار خیال کے عالم میں نادر مضامین نہیں سوجھتے۔ جب تک شاعر محو حیرت نہ ہو اس وقت تک الفاظ کی صفائی بغیر کسی دقت کے میسر نہیں ہوتی اور جب تک وہ اپنی خودی نہیں کھوتا زبان سخن گوئی پر اور سخن زبان پر نہیں آتا۔ اگر آپ تجاہل عارفانہ سے کام نہ لیں، تقلیب اور حسن تعلیل کی طرف توجہ نہ دیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مضامین کے ابرات کا جڑنا کس قدر دشوار ہے اور سپیدی وسیاہی کا تقابل کتنا مشکل ہے.....'' (۴۸)

مومن کا یہ وہ تخلیقی رویہ ہے ان کی ساری شاعری میں رچا بسا ہے۔ وہ شعر غور وفکر سے کہتے ہیں جس میں مضامین خیالی کے بجائے ان کے اپنے تجربات رنگ بھرتے ہیں۔ ان کے زاویہ نظر کے مطابق شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ محو حیرت ہو۔ اسی سے خیال لفظوں کی گرفت میں آتا ہے۔ اس عمل میں اسے اپنی خودی کو مٹانا پڑتا ہے اور وہ معیار شاعری و د میں آتا ہے جس میں ''کنایت'' صراحت پر غالب رہتی ہے۔ بیٹے کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ چوں کہ مجھ کو ''شعر و شاعری سے ذوق ہے اس لیے کنایت کو صراحت سے بہتر سمجھتا ہوں۔'' (۴۹) اسی وجہ سے ''محذوفات'' ان کی شاعری کا عام مزاج ہے۔ وہ شاعری عوام کے لیے نہیں بلکہ خواص کے لیے کرتے ہیں اور اسی لیے کنایات و محذوفات کو سمجھنے، انہیں تلاش کر کے خیال کو پورا کرنے کے عمل میں وہ اپنے قاری کو شریک کرتے ہیں۔ ان کی شاعری اسی لیے مشکل پسند ہے اور دوسرے معاصرین سے مزاجاً مختلف اور منفرد ہے۔

~~~~~~~~~~

Scanned by CamScanner
~~~~~~~~~~

حوالہ جات

۱۔ کلیات مومن (جلد دوم) مرتبہ کلب علی خاں فائق، ص ۱۱۰۔۱۱۱، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۴ء

۲۔ مومن خاں کے پھوپھی زاد بھائی اور اس دور کی مشہور شخصیت حکیم احسن اللہ خاں نے "انشائے مومن" کے مقدمہ میں ان کا پورا نام محمد مومن خاں لکھا ہے۔ دیکھیے انشائے مومن مرتبہ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، ص ۲۲، غالب اکیڈمی نئی دہلی ۱۹۷۷ء، اور دیوان مومن مرتبہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۶ء کے دیباچے میں بھی شیفتہ نے پورا نام محمد مومن خاں دیا ہے۔ دیکھیے کلیات مومن جلد اول مرتبہ کلب علی خاں فائق، ص ۵۶، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۴ء

۳۔ کلیات مومن (جلد اوّل) مرتبہ کلب علی خاں فائق، ص ۶۰، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۴ء

۴۔ حیات مومن، ضمیر الدین عرش گیاوی، ص ۳۷، دہلی ۱۳۴۷ھ

۵۔ عمدہ منتخبہ، اعظم الدولہ سرور، ص ۶۵۱، دہلی یونیورسٹی ۱۹۶۱ء

۶۔ گلشن بے خار، مصطفیٰ خاں شیفتہ، بار دوم، ص ۱۹۶، مطبع نول کشور لکھنو ۱۹۱۰ء

۷۔ گلستان سخن، مرزا قادر بخش صابر دہلوی، حصہ دوم، ص ۳۸۹، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۶ء

۸۔ عمدہ منتخبہ، محولہ بالا، ص ۶۵۱

۹۔ حیات مومن، ص ۳۷، محولہ بالا

۱۰۔ خوش معرکہ زیبا، سعادت خاں ناصر، جلد دوم، مرتبہ مشفق خواجہ، ص ۱۶۹، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۲ء

Scanned by CamScanner

۱۱۔ انشائے مومن، مومن خاں مومن، مرتبہ و مترجمہ ظہیر احمد صدیقی، ص ۳۷۰، غالب اکیڈمی نئی دہلی، ۱۹۷۷ء

۱۲۔ ایضاً ص ۳۷۹

۱۳۔ سخن شعراء، عبدالغفور خاں نساخ، ص ۴۶۷، مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۴ء

۱۴۔ انشائے مومن، محولہ بالا، ص ۱۶۰ فارسی و ترجمہ ص ۳۸۹، دہلی یونیورسٹی ۱۹۷۷ء

۱۵۔ دیوان مومن (فارسی) مخطوطہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ اس کے لیے میں ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کا شکر گزار ہوں۔

۱۶۔ انشائے مومن، محولہ بالا، ص ۲۸۳

۱۷۔ ایضاً ص ۲۸۲

۱۸۔ ایضاً ص ۲۸۳

۱۹۔ مرغ = ۱۲۴۰ + قفس = ۲۴۰ یعنی کل ۱۴۸۰ میں سے بال کے ۳۳ اور پر کے ۲۰۲ کل ۲۳۵ نکال دیے جائیں تو ۱۲۴۵ھ برآمد ہوتے ہیں۔

۲۰۔ دیکھیے شجرہ خاندان مومن، ص ۱۱۶۔ ۱۱۷، مومن شخصیت اور فن، ظہیر احمد صدیقی، دہلی یونیورسٹی ۱۹۷۲ء

۲۱۔ انشائے مومن، محولہ بالا، ص ۲۲۹

۲۲۔ ایضاً ص ۲۳۳

۲۳۔ کلیات مومن، مرتبہ کلب علی خاں فائق، (جلد دوم) ص ۲۸۲، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۴ء

۲۴۔ انشائے مومن، محولہ بالا، ص ۳۴۳

۲۵۔ ایضاً ص ۳۹۲

۲۶۔ ایضاً ص ۲۲۵

Scanned by CamScanner

۲۷۔ انشائے مومن، محولہ بالا، ص ۲۱۹

۲۸۔ ایضاً ص ۲۱

۲۹۔ ایضاً ص ۲۲۲

۳۰۔ مومن از کلب علی خاں فائق، ص ۴۷-۲، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۹۱ء

۳۱۔ نوادرات غالب، آفاق حسین، ص ۱۳، ادارہ نوادرات کراچی

۳۲۔ تذکرہ صد سالہ [illegible] ص ۴۰۹، [illegible]

۳۳۔ مومن، کلب علی خاں فائق، ص ۷۱، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۹۱ء

۳۴۔ ایضاً ص ۷۱

۳۵۔ دلی کا ایک یادگار مشاعرہ، مرزا فرحت اللہ بیگ، ص ۳۵-۳۶، اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۶۰ء

۳۶۔ انشائے مومن، محولہ بالا، ص فارسی ۵۸ و اردو ترجمہ ص ۲۵۴

۳۷۔ ایضاً ص فارسی ۳۶-۳۷، اردو ترجمہ ص ۲۲۳

۳۸۔ ایضاً ص اردو ۳۸۰، فارسی ص ۱۵۴

۳۹۔ ایضاً ص اردو ۳۸۰، فارسی ص ۱۵۴

۴۰۔ ایضاً ص اردو ۳۸۳، فارسی ص ۸۱

۴۱۔ ایضاً محولہ بالا، ص اردو ۲۳۸

۴۲۔ دلی کا ایک یادگار مشاعرہ، مرزا فرحت اللہ بیگ، ص ۳۵-۳۶، اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۶۰ء

۴۳۔ آب حیات، محمد حسین آزاد، ص ۲۲۲-۲۲۳، آزاد بک ڈپو لاہور، س-ن

۴۴۔ ایضاً ص ۲۲۳

۴۵۔ انشائے مومن، محولہ بالا، ص اردو ۲۶۹، فارسی ص ۲۵۴

Scanned by CamScanner

۴۶۔ انشائے مومن، بحوالہ بالا، فارسی شعر ص ۳۶، اردو ترجمہ ص ۲۲۳

۴۷۔ ایضاً، فارسی ص ۴۰، اردو ترجمہ ص ۲۲۹

۴۸۔ ایضاً، بحوالہ بالا، اردو ترجمہ ص ۲۳۱۔۲۳۲، فارسی ص ۴۲

۴۹۔ ایضاً، بحوالہ بالا، اردو ترجمہ ص ۲۶۸، فارسی ص ۶۹

Scanned by CamScanner

حکیم مومن خان مومن

Scanned by CamScanner